اسلام میں انسانی حقوق

کشور سلطانہ

آج صدیوں بعد جب انسان شعور کی ان منزلوں پر پہنچا جہاں انسان اور انسانیت کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اقوام عالم نے انسانی حقوق کا نعرہ بلند کرنا شروع کیا ہے۔ دنیا بھر میں بے شمار عالمی تنظیموں کا جنم ہوا ہے جو دنیا بھر میں ہونے والی انسانی حقوق کی پامالیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی سعی میں مصروف ہیں۔ اقوام متحدہ، ایمنسٹی انٹرنیشنل وغیرہ جیسی تنظیموں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ لیکن اسلام نے اس وقت انسانی حقوق کا نظریہ دیا۔ جب انسانی شعور کے لیے نظریۂ انسانیت اتنا ہی اجنبی تھا جتنا ایٹم بم کا تصور۔ گویا کہ اسلام نے چودہ سو سال قبل ہی انسان کو نہ صرف انسانی حقوق کے تصور سے آشنا کیا بلکہ انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تلقین کی۔

زیر نظر مضمون میں اسلام اور انسانی حقوق کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

انسانی حقوق:

دنیا میں جب منظم معاشرتی زندگی کا آغاز ہوا تو اس کے ساتھ ہی فرد کے حقوق کا احساس بھی پیدا ہوا اور جیسے جیسے منظم معاشرتی زندگی میں فرد کو اہمیت حاصل ہوتی گئی اسی طرح انسان کے حقوق کا تصور بھی نمایاں ہوتا رہا۔ مختلف ادوار میں مفکرین نے انسانی حقوق کی مختلف تعریف و توضیح کیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا میں اس کی یوں تعریف کی گئی:

> انسانی حقوق زندگی کی ان لازمی شرائط کا نام ہے جو فرد کو ودیعت ہوئی ہیں۔ انہیں معاشرہ تسلیم کرتا ہے اور ریاست تحفظ فراہم کرتی ہے اور پھر معاشرے کے تمام اراکین مساویانہ طور پر ان کا استعمال کرتے ہیں۔[1]

پروفیسر ہیرالڈ لاسکی (Heralled Lasky) انسانی حقوق کی تعریف یوں کرتا ہے:

> حقوق معاشرتی زندگی کی وہ شرائط ہیں جن کے بغیر انسان اپنی شخصیت اجاگر نہیں کرسکتا۔[2]

چیف جسٹس منیر کے مطابق حقوق کا تعلق براہ راست انسانوں سے ہوتا ہے یہ حقوق قانون کے تحت پیدا کردہ حقوق سے قطعی مختلف ہوتے ہیں اور یہ انسان کی ذات سے نمو پاتے ہیں۔ ان کے نزدیک:

> بنیادی یا انسانی حقوق وہ حقوق ہوتے ہیں جو ایک آزاد معاشرہ میں بلا تخصیص مذہب و ملت، رنگ و نسل و جنس ہر مرد و زن بوڑھے، جوان، اور بچے کو حاصل

ہوتے ہیں۔[۳]

گویا ہر ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کو مساوی طور پر ایسی سہولتیں فراہم کرے جس سے فرد اپنے مزاج اور صلاحیتوں کے مطابق استفادہ کر سکے۔ انسانی حقوق کو ریاست تسلیم کرتی ہے اور جب ان کو آئینی تحفظ مل جاتا ہے تو پھر یہ بنیادی حقوق کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

بنیادی حقوق:

بنیادی حقوق سے مراد حقوق کا ایسا مجموعہ جو معاشرے میں ہر فرد کو بلا امتیاز مذہب، رنگ، نسل اور جنس کے حاصل ہے۔ یہ اصطلاح بیسویں صدی میں عام ہوئی۔ افراد معاشرے میں اجتماعی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک فرد اگر ذمہ داریوں کی ادائیگی کا پابند ہے تو اس کو مختلف حقوق بھی حاصل ہیں۔ قدیم دور میں تین قسم کے حقوق یعنی حق زندگی، حق ملکیت اور حق آزادی کو بنیادی حقوق سمجھا جاتا تھا۔[۴] جان لاک پہلا سیاسی مفکر تھا جس نے انسانی حقوق کی اصطلاح استعمال کی اور بتایا:

> انسان کو فطری طور پر تین حقوق حاصل ہیں جو حق زندگی، آزادی اور ملکیت ہیں۔ ہر حکمران پر لازم ہے کہ وہ فرد کے ان حقوق کی حفاظت و نگہداشت کا اہتمام کرے۔ اگر کوئی حکمران افراد کے ان حقوق کی حفاظت کرنے سے قاصر ہے تو اسے منصب حکومت پر فائز رہنے کا اختیار نہیں۔[۵]

جان لاک (John Lock) کا یہ خیال فطری حقوق کے نظریہ کی بنیاد تھا۔ جس کو بعد میں انسانی حقوق کا نام دیا گیا اور جوں جوں معاشرہ ارتقاء کی منازل طے کرتا گیا ان حقوق کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اب ان کو بنیادی حقوق (Fundamental Rights or Basic Rights) بھی کہا جاتا ہے۔ ان بنیادی حقوق کا اصل مآخذ تمام دنیا کے مذاہب اور وہ تحریکیں ہیں۔ جن کا مقصد انسان کو ان کے وہ حقوق دلوانا ہے جو اسے بلا تمیز رنگ، نسل، علاقے اور زبان کے حاصل ہے۔ یہ حقوق کسی بھی انسان کو محض انسان ہونے کے ناطے سے ملتے ہیں اور اسی وجہ سے معاشرے میں امن وانصاف قائم رہتا ہے اور پھر ان حقوق کی ضمانت عام ملکی قوانین کی بجائے ''دستور'' میں فراہم کی جاتی ہے۔

انسانی حقوق کا اسلامی نظریہ:

اسلامی طرز فکر کے لحاظ سے انسانی حقوق کی بنیاد انسان کی عظمت اور آپس میں برابری کے قوائد وضوابط کی حد پر ہے۔ کتاب اللہ میں انسانی حقوق کی وضاحت جامع الفاظ میں کی گئی ہے کہ حقوق کی بنیاد انسانیت پر ہے گویا کہ انسان ہے تو انسانی حقوق کی بھی اہمیت ہے۔ یوں انسانیت کی سب سے بڑی مثال حضرت آدمؑ کی تخلیق ہے۔[۶] اللہ

تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات یعنی اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور ''اپنے تمام فرشتوں اور عبادت گزاروں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں''یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب مقرر کیا ہے اور ساتھ ہی انسان کے حقوق کی پاسداری کا وعدہ بھی کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ کی تخلیق نہ کرتا تو انسان کبھی بھی انسانیت کے بلند درجے پر فائز نہ ہوتا اور نہ ہی ہر طرف انسانی حقوق کو اہمیت دی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت آدمؑ کی اولاد بنا کر عزت بخشی ہے۔[۷]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ

> ہم نے تم میں مرد و عورت کو پیدا کیا اور تمہاری پہچان کے لیے تمہیں ذاتوں، قوموں، قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ اس میں تمہاری کوئی بڑائی نہیں ہے بلکہ تم لوگ مل کر رہو۔ اس لیے تمہاری ذاتیں بنا دی گئیں ہیں اس لیے اپنی ذاتوں پر فخر نہ کرو۔ (سورۃ البقرہ)

اسلام کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ اسلام نے ان تمام باتوں کی مذمت کی ہے۔ جن کی بنیاد پر انسان کو فوقیت حاصل تھی۔ قدیم ادوار میں انسان دوسروں کو مذہب، رنگ و نسل، ذات پات، دولت اور عزت کے لحاظ سے اہم سمجھتے تھے۔ اسلام نے ان تمام باتوں یا برائیوں کا خاتمہ کیا اور سب انسانوں کو یکساں قرار دیا۔ اس بارے میں آنحضرتؐ نے حج کے موقع پر فرمایا کہ:

> کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص قابل عزت ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام تمام انسانوں کے لیے ہے اور سب اسلام کی رو سے برابر ہیں۔ اسی لیے اسلام میں سادگی اور پاکیزگی کے بلند درجات ہیں۔ اگر ہم اسلامی طرز معاشرت کے لحاظ سے دیکھیں تو سب سے زیادہ انسانی حقوق کی حفاظت اور عزت کرنے والا واحد مذہب اسلام ہے۔[۸] جس میں انسانی حقوق کا خیال رکھنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ اسلام نے تمام لوگوں کو حکم دیا ہے کہ:

> وہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں۔

اگر ایک انسان دوسرے کے حقوق کا خیال رکھے گا اور اپنے فرائض دیانتداری سے ادا کرے گا تو کوئی شک نہیں کہ اس کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی اہمیت کیا ہے۔

افراد کے مابین باہمی حقوق کے لیے حقوق العباد کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ یعنی اسلامی معاشرے میں والدین، اولاد، عورتوں، بچوں اور باہمی رشتوں کے درمیان حقوق کا نہ صرف تعین کیا گیا ہے بلکہ افراد پر ذمہ داری

بھی عائد کی گئی ہے کہ وہ بطریق احسن اپنے فرائض سرانجام دیں۔

اگر بندہ حقوق اللہ یعنی روزہ، نماز، ایفائے عہد وغیرہ سے پہلوتہی کرتا ہے تو وہ معافی کا اہل سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ قہار و جبار ہونے کے ساتھ ساتھ رحیم و کریم بھی ہے۔ لیکن حقوق العباد کے سلسلے میں ہونے والی تاہی پر کوئی معافی نہیں ہوگی:

> تم باہمی حقوق کا خیال رکھو اس سلسلے میں تم سے باز پرس ہوگی اگر تم حقوق اللہ نہ ادا کر پاؤ تو اس کی معافی ہے لیکن حقوق العباد سے غفلت کے نتیجے میں کوئی معافی نہیں۔ (سورۃ البقرہ)

انسانی حقوق کی درجہ بندی:

اسلامی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی حقوق کی درجہ بندی کر دی ہے۔ تاکہ ہر شخص یہ جان سکے کہ اس کے حقوق و فرائض کیا ہیں۔ اور وہ ان کو کس طرح بحسن و خوبی سرانجام دے سکتا ہے۔ اور کون سے حقوق خداوند تعالیٰ کے ہیں۔ ان کو سرانجام دینے کے لیے ہمیں کون کون سے طریقے سرانجام دینے چاہئیں۔

اگر ہم حقوق کی بات کرتے ہیں تو اسلام میں حقوق دو طرح کے ہیں۔

۱۔ حقوق اللہ

۲۔ حقوق العباد

حقوق اللہ:

اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے۔ تمام کائنات اسی کے قبضے میں ہے اور ہم پر اس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ جنہیں ہم حقوق اللہ کہتے ہیں۔[9] حقوق اللہ میں دراصل وہ ارکان شامل ہیں جو دین اسلام کی بنیاد ہیں اور کوئی شخص اس میں ردو بدل کا مجاز نہیں۔[10]

توحید

نماز

زکوٰۃ

حج

روزہ

توحید:

اسلام کا اولین رکن توحید ہے یعنی یہ شہادت دینا کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں نیز محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ توحید اسلامی تعلیمات کی اصل روح ہے۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ زبان سے کہنے اور دل سے اس کا اقرار کر لینے سے انسان اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل حرف توحید کا عقیدہ ہے توحید سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو ایک مانے، اسے بے مثال اور ہر چیز پر قادر سمجھے، ہر قسم کا نفع اور نقصان اسی کی ذات سے منسوب کرے۔ اپنی حاجتوں میں صرف اسی سے مدد مانگے اور یہ یقین رکھے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس کے سامنے کسی کی سفارش کرے۔[11]

اسلام نے توحید کو جو اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ قرآن نے باقی ہر قسم کے گناہوں کے بخشے جانے کی امید دلائی ہے۔ مگر شرک کو ایک نا قابل معافی گناہ قرار دیا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا البتہ اس کے علاوہ جس کے گناہ چاہے بخش دے گا۔ (سورۃ المائدۃ: رکوع ۱۰)

ایک اور مقام پر یہی بات یوں بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا۔ یقیناً اللہ نے اس کے لیے جنت حرام کر دی ہے۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا (سورہ نساء: رکوع ۷)

قرآن پاک کا مرکزی نقطہ توحید ہے۔ وہ ہر چند قدم کے بعد اس موضوع کی طرف لوٹتا ہے۔ وہ یہ نقطہ بھی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ انسانی ذہن کے لیے شرک کی بڑی کشش ہے اور شرک رنگ برنگ جامے پہن کر انسانی ذہن کو دھوکا دے سکتا ہے۔ کلمہ توحید جو انسان کو کفر میں سے اسلام میں لانے کا ذریعہ ہے۔ دو ارکان پر مشتمل ہے ان میں سے پہلا رکن توحید اور دوسرا رکن رسالت ہے۔ مسلمان بننے کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے ساتھ سرور کونین کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ وہ اس لیے کہ نوع انسان کو خالص توحید کا انمول خزانہ آپ ہی کی وساطت سے ہاتھ لگا۔ انسانیت کے اس محسن اعظم کا اقرار نہ کرنا بھی اسی طرح ظلم ہے جس طرح خالق کائنات کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا۔ ایک صاحب بصیرت بزرگ نے بہت خوب کہا تھا کہ محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے میں بھی اسی جگہ تھا اور اللہ تعالیٰ بھی اسی جگہ۔ مگر مجھے اللہ تعالیٰ کی کچھ خبر نہ تھی۔ مجھے اللہ سے ملانے والے محمد ﷺ ہیں۔ اسی انداز میں حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا تھا کہ دنیا کو توحید کی روشنی عطا کرنے والے رسول ﷺ ہیں۔[12] غرض توحید کو

رسالت سے کسی طرح بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا (سورۃ آل عمران۔ رکوع)

ایک اور مقام پر یہ صراحت کی گئی ہے کہ جو شخص رسول اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ فی الحقیقت اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ

نماز: الصلوٰۃ

اسلام سے پہلے دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں آیا جس میں نماز کو اہمیت نہ دی گئی ہو۔ قرآن کی شہادت کے مطابق، خدا نے لوگوں کی اصلاح کے لیے جتنے پیغمبر بھیجے۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے امت کو نماز کی تعلیم نہ دی ہو۔[۱۳] خصوصاً ملت ابراہیمی میں اس کی حیثیت سب سے نمایاں ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی ویران اور بے آب وگیاہ سرزمین میں آباد کرتے ہیں۔ تو اس کی غرض یہ بتاتے ہیں۔

ربنا لیقیموا الصلوٰۃ (سورۃ ابراہیم، آیت ۳۷)

اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کی نسل کے پیغمبروں کے متعلق قرآن کا یہ بیان ہے:

ترجمہ: اور ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے اور نماز کھڑی کرنے کی وحی کی۔ (سورۃ انبیاء، آیت ۷۳)

دین ابراہیمی کی پیروی کرنے والے اپنے قیاس اور اندازے سے کچھ ارکان ادا کر لیتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ حضورﷺ کی بعثت سے قبل نماز کی خالص اور مواحدانہ صورت گم ہو چکی تھی۔[۱۴]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے تمام مذاہب خاص خاص قوموں اور وقتوں کے لیے تھے۔ اس لیے ان میں اس عبادت کی حقیقی روح باقی نہ رہی۔ چونکہ حضرت محمدﷺ خدا کے آخری نبی تھے اور قرآن خدا کی آخری کتاب بن کر آیا۔ اس لیے اس عبادت کو خدا کے آخری اور کامل دین میں ایسی واضح، نمایاں، اور مؤکد صورت دی گئی کہ وہ قیامت تک باقی اور قائم رہے گی۔

نماز کیا ہے؟ مخلوق کا اپنے خالق کے سامنے دل، زبان، اور ہاتھ پاؤں سے بندگی، عبودیت کا اظہار، رحمان ورحیم کی یاد، رب کے بے پایاں احسانات کا شکر، اس کی یکتائی اور کبریائی کا اقرار، غلام وآقا کے درمیان تعلق کی گرہ اور وابستگی کا ذریعہ ہے۔ بیقرار اور مضطرب روح کے لیے سامان تسکین وراحت اور مایوس دلوں کے لیے امید و

آس ہے۔ [۱۵]

نماز اسلام کا وہ فریضہ ہے جس سے کوئی مسلمان مستثنیٰ نہیں۔ جب تک اس میں ہوش وحواس اور شعور باقی ہے۔ وہ اس فرض کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ قرآن پاک کی ایک سو سے زائد آیتیں ہیں جن میں نماز کی تاکید، فضیلت اور بجا آوری کا حکم ہے۔ اس کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی کو نفاق کی علامت اور چھوڑ دینے کو کفر کی نشانی کہا گیا ہے۔

واقیمو الصلوٰة ولا تکونو من المشرکین

ترجمہ: اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے مت ہو جاؤ (سورۃ روم، آیت ۳۱)

آپ کا ارشاد ہے:

نماز دین کا ستون ہے

جس طرح ستون کے گر جانے سے پوری عمارت گر جاتی ہے اسی طرح نماز چھوڑ دینے سے ادغان ویقین کی محرابیں زمین پر آ رہتی ہیں۔

حضور ﷺ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

انسان آگ میں جلتا رہتا ہے اور نماز سے وہ آگ بجھ جاتی ہے۔ یہ آگ محبوب کے ہجر وفراق کی آگ ہے اور نماز سرد پانی کی طرح ہے جو اس آگ کو بجھا دیتی ہے۔ [۱۶]

زکوٰۃ:

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ آتا ہے۔ گویا وہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ زکوٰۃ کا مطلب ہے کہ جس مسلمان کے پاس ایک مقرر مقدار میں مال ودولت ہو وہ ہر سال حساب لگا کر اپنی اس دولت کا چالیسواں حصہ غریبوں، مسکینوں پر، یا نیکی کی ان دوسری مدوں میں خرچ کر دیا کرے جو زکوٰۃ کے خرچ کے لیے اللہ اور رسول ﷺ نے مقرر کی ہیں۔ [۱۷] قرآن میں جابجا نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: واقیمو الصلواۃ واتوالزکوٰۃ (یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) کئی مقام پر تو مسلمانوں کی لازمی صفت ہی یہی بیان کی گئی ہے:

ترجمہ: یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں۔

اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کو مشرکوں، کافروں کی صفت، سورۂ فصلت کی اس آیت میں بتلایا گیا ہے:

ترجمہ ان مشرکوں کے لیے بڑی خرابی ہے اور ان کا انجام بہت برا ہونے والا ہے جو زکواۃ ادا نہیں کرتے اور وہ

آخرت کے منکر اور کافر ہیں۔ (رکوع،۱)

سورۃ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: اور جو لوگ سونا، چاندی (مال و دولت) جوڑ کے رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی ان پر جو زکواۃ وغیرہ فرض ہے اس کو ادا نہیں کرتے)۔ اے رسول ﷺ تم انہیں سخت دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن کہ تپایا جائے گا ان کی اس دولت کو دوزخ کی آگ میں پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور پیٹھیں (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ مال و دولت جس کو تم نے جوڑا تھا اپنے واسطے پس مزہ چکھو اپنی جوڑی ہوئی دولت کا۔

اس آیت کے مضمون کی کچھ تفصیل حضور اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں بھی فرمائی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

جس شخص کے پاس سونا چاندی (یعنی مال و دولت) ہو، اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے (یعنی زکوٰۃ نہ دیتا ہو) تو قیامت کے دن اس کے واسطے آگ کی تختیاں تیار کی جائیں گی پھر ان کو دوزخ کی آگ میں اور زیادہ گرم کر کے ان سے اس شخص کی پیشانی کو، کروٹ کو اور پشت کو داغا جائے گا اور اسی طرح بار بار ان تختیوں کو دوزخ کی آگ پر تپا کر اس شخص کو داغا جاتا رہے گا اور روز قیامت کی پوری مدت میں اس عذاب کا سلسلہ جاری رہے گا اور وہ مدت پچاس ہزار سال کی ہوگی۔[۱۸]

ذرا سوچیں کہ زکوٰۃ وصدقات سے اپنے ہی غریب اور ضرورت مند بھائیوں کی خدمت ہوتی ہے۔ تو گویا زکواۃ نہ نکالنا دراصل اپنے ان غریب اور ضرورت مند بھائیوں پر ظلم کرنا ہے۔ زکوٰۃ کا جو ثواب اور انعام اللہ کی طرف سے آخرت میں ملے گا اس کے علاوہ اس دنیوی زندگی میں بھی اس سے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً اس سے مومن کا دل بڑا خوش اور مطمئن رہتا ہے، غریبوں کو اس پر حسد نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی بہتری چاہتے ہیں اور اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں عام دنیا کی نظر میں بھی ایسے شخص کی بڑی وقعت ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کا فرمان ہے کہ اے فرزند آدم تو (میرے غریب و حاجت مند بندوں پر اور نیکی کے کاموں میں) میرا دیا ہوا مال خرچ کیے جا میں تجھ کو برابر دیتا رہوں گا۔[۱۹]

روزہ:

صوم عربی زبان میں کسی چیز سے رک جانے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے وہ گھوڑا جو گھاس کھانے یا چلنے پھرنے سے رک جائے صائم کہلاتا ہے۔ اسی طرح دوپہر کو بھی صوم کہتے ہیں۔ اس تصور کے ساتھ کہ اس میں سورج وسط آسمان

میں رک جاتا ہے۔ روزے کو بھی صوم اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں روزہ دار کھانے پینے اور برے کام کرنے سے رک جاتا ہے۔[20] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے کہ روزہ رکھنے کی رسم دنیا کے ہر مذہب اور ہر قوم میں موجود رہی ہے۔[21] قرآن نے پہلے لوگوں کی طرح مسلمانوں پر روزہ فرض قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی بیان کرنا ضروری سمجھی کہ روزہ کو فرض ٹھہرانے سے خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ کیا چیز ہے اس کی بہترین تشریح ایک صحابیِ رسول ﷺ نے یوں بیان کی۔ ان سے کسی نے یہی سوال کیا تو انہوں نے پوچھنے والے سے کہا کیا تم کسی ایسے تنگ راستے سے گزرے ہو جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں۔ کہا ہاں۔ فرمایا اس وقت کیا کرتے ہو؟ کہا اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیتا ہوں تاکہ کانٹوں میں نہ الجھیں۔ فرمایا بس یہی تقویٰ ہے۔ غور کیا جائے تو یہ اس دنیا کی زندگی کے بارے میں ایک بہترین مثال ہے۔ ہماری زندگی کا راستہ دونوں طرف خواہشات کی خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ اگر ہم پھونک پھونک کر قدم نہ رکھیں تو خطرہ ہے کہ کہیں ہمارا دامن حیات ان میں الجھ کر تار تار نہ ہو جائے۔ روزہ ہمیں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی تربیت دیتا، ہمارے اندر ضبطِ نفس کی طاقت پیدا کرتا اور ہمیں ہر لمحہ محاسبۂ آخرت کی یاد دلاتا ہے۔[22]

حج:

حج کی ادائیگی بھی مسلمانوں پر فرض ہے۔ حج اسلام کا چوتھا اہم ترین رکن ہے۔ حج صاحب استطاعت تمام لوگوں پر فرض ہے۔ اسلام کی جتنی عبادات ہیں وہ سب کی سب اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہیں۔ ایک اجتماعی اور دوسرا انفرادی، یعنی ان کے کچھ پہلو تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور خیر و برکت کے ہوتے ہیں اور کچھ پہلو ایسے ہوتے ہیں جن سے ہر مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں فیض یاب ہوتا ہے۔ حج ہی وہ عبادت ہے جس میں یہ دونوں پہلو بہت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔[23]

ذرا غور کریں کہ حج اسلام کا ایک ایسا رکن ہے جس میں ہر ملک ہر علاقہ اور ہر خطہ زمین کے لوگ اللہ کے گھر اکٹھے ہوتے ہیں۔ کوئی گورا ہے کوئی کالا ہر ملک، ہر علاقہ اور ہر خطہ زمین کے لوگ اللہ کے گھر پہنچے ہوتے ہیں۔ اپنے اپنے علاقوں میں یہ جو بھی زبان بولتے ہوں لیکن یہاں ان کی زبان پر لبیک الھم لبیک کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اور ان کا مرکز صرف ایک اللہ ہوتا ہے۔ یوں مسلمانوں کو ہر سال یہ سبق یاد دلایا جاتا ہے کہ رنگ و نسل، زبان اور وطن سے قومیں

تشکیل نہیں پاتیں۔ اصل تعلق خدا کے دین کا ہے۔

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی [۲۴]

حج کی عبادت دنیا بھر کے مسلمانوں کو سال کے سال یہ مواقع بھی بہم پہنچاتی ہے کہ وہ ہر علاقہ اور ہر خطہ زمین سے کھنچ کر اور ایک مقام پر جمع ہو کر اپنے مسائل اور مشکلات کا جائزہ لیں اور انہیں دور کرنے کے طریقے سوچیں۔ یہ اس کا ایک بے نظیر اجتماعی پہلو ہے جس کا خاطر خواہ فائدہ بد قسمتی سے ہم ابھی تک نہیں اٹھا سکے۔

حقوق العباد:

دین اسلام محض عقائد و عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ وہ ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے جس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر رخ کے لیے ابدی ہدایات و احکام موجود ہیں۔ چنانچہ اسلام اپنے معاشرتی نظام میں ''حقوق العباد'' کی ادائیگی پر بہت زور دیتا ہے۔[۲۵] اسلام میں حقوق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ حقوق اللہ

۲۔ حقوق العباد

۳۔ حقوق کائنات

ان تینوں حقوق میں معاشرتی نقطۂ نگاہ سے حقوق العباد کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے حقوق، جو بندے کے ذمہ میں ہیں، معاف کر دے گا مگر بندوں کے حقوق، جو ایک دوسرے پر واجب ہوں گے، انہیں معاف نہیں کرے گا۔ حقوق العباد کا سلسلہ دراصل اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب ایک شخص خدا کی زمین پر ایک انسانی سوسائٹی میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ ماں کے پیٹ میں، اس کے خون سے پرورش پانے سے لے کر پیدا ہونے اور مر جانے کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ اس دوران ایک انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بے شمار افراد اور مختلف اداروں سے مختلف صورتوں میں مستفید ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے درجے کے اعتبار سے اس کے ذمہ بہت سے افراد اور اجتماعی اداروں کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔

دراصل اسلام اجتماعی اور معاشرتی حقوق کا ایک وسیع تصور رکھتا ہے چنانچہ ''حقوق العباد'' میں وہ سب سے پہلے والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض پر زور دیتا ہے۔ والدین کی نافرمانی اور ان کے حقوق ادا نہ کرنے کو اللہ کے ساتھ شرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ قرار دیتا ہے۔ کیونکہ والدین کے ادب و احترام، اطاعت و فرمانبرداری، اور احساس تشکر و

احسان مندی کے بغیر خاندانی زندگی مستحکم اور خوشگوار نہیں ہو سکتی۔ جو نتیجہ کے طور پر پوری سوسائٹی پر اثر انداز ہوتی ہے۔

والدین اور بیوی بچوں کے حقوق کے بعد دوسرے لوگوں کے حقوق کا درجہ ہے۔ مثلاً رشتہ داروں کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق، یتیموں اور مسکینوں کے حقوق، سائلوں اور مسافروں کے حقوق، ملازموں اور قیدیوں کے حقوق۔ مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیت اور کمائی ہوئی دولت کو صرف اپنی ذات ہی کے لیے محدود اور مخصوص نہ کرے بلکہ وہ اپنی ضرورتیں اعتدال کے ساتھ پوری کرنے کے بعد اپنے رشتہ داروں، اپنے ہمسایوں، اور دوسرے حاجتمندوں کے حقوق بھی ادا کرے تا کہ سوسائٹی میں امداد باہمی، ہمدردی و تعاون، حق شناسی اور حق رسانی کی روح جاری و ساری ہو۔ اور معاشرے میں ''حقوق العباد'' کا تصور عملی طور پر ایسا وسیع اور ہمہ گیر ہو کہ ہر شخص کو اپنی ذات اور اپنے مال پر دوسرے انسانوں کے حقوق کا ادراک حاصل ہو اور لوگ ان حقوق کو سمجھنے اور بلا کسی خارجی دباؤ کے خود بخود ادا کرنے لگیں۔

اسلام میں کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ کے ذریعہ حقوق و فرائض کا افراط و تفریط سے مبرا ایک مربوط اور متوازن نظام موجود ہے۔ قرآن پاک حقوق العباد کی ادائیگی پر ایک دوسرے کو اکساتا ہے اور انسان کی اخلاقی حس کو بیدار اور متحرک دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ''حقوق العباد'' کا ادا کرنا مومنوں کی صفت قرار دیتا ہے اور ایمان کے ساتھ ''حقوق العباد'' کے ادا کرنے کو نجات کا ذریعہ کہتا ہے۔ حقداروں کو محروم کر کے مرنے والے کی میراث سمیٹنے کی مذمت کرتا ہے اور دوسروں کے حق کو مارنے والے کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے۔[۲۶]

کاش! ہم مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ماننے والے ''حقوق العباد'' کی اہمیت کو سمجھیں اور معاشرے کے عام حقوق کی خلاف ورزی مثلاً چوری، خیانت، ظلم، ناانصافی، چور بازاری، کم ناپ تول، اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی قبیح عادتوں سے اجتناب کریں اور اس طرح دنیا سے رخصت نہ ہوں کہ ہماری گردنیں سینکڑوں، ہزاروں انسانوں کی حق تلفیوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہوں اور ہم میدان حشر میں اللہ اور اس کے محبوب کے سامنے خالی ہاتھ شرمسار و سرنگوں کھڑے ہوں۔

والدین کے حقوق:

والدین کے حقوق کے سلسلہ میں قرآن حکیم کی سورۃ بنی اسرائیل میں یوں ارشاد ہے:

ترجمہ: تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اسی کی۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو، اور نرمی و رحم کے ساتھ ان

کے سامنے جھک رہو، اور دعا کیا کرو کہ پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے
ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔[۲۷] (آیت ۲۴۔۲۳)

اسلام میں والدین کے حقوق کی اہمیت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اللہ نے اپنی بندگی اور اطاعت وفرمانبرداری کے فوراً بعد بلکہ اس سے متصل اسی آیت میں والدین کی اطاعت، خدمت گزاری اور ادب شناسی کا حکم دیا ہے اور اس کی اہمیت یوں اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں امور یعنی اللہ کی بندگی اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کے لیے ''قضٰی'' کے لفظ سے آغاز فرمایا گیا کہ تمہارے رب کا یہ فیصلہ ہے جس میں کسی چوں چرا کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔

جو لوگ اسلام کے معاشرتی نظام سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ اسلام معاشرہ کے سب سے چھوٹے یونٹ یعنی خاندان کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک خاندان کی اہمیت عمارت کے ستون کی طرح ہے جس پر عمارت قائم رہتی ہے۔ چونکہ اسلام خاندان کے ادارہ کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا ہے اس لیے اس دنیا کو وہ ایک اجتماعی نظام دیتا ہے جو اولاد کو والدین سے بے گانہ، لاتعلق اور بے نیاز نہیں بناتا۔ بلکہ ان میں اپنے والدین کے لیے احسان مندی اور احترام واکرام کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اسے پروان چڑھاتا ہے اور بڑھاپے میں اسی طرح ان کی خدمت کے لیے آمادہ کرتا ہے جس طرح بچپن میں وہ اس کی پرورش وپرداخت کر چکے ہیں۔ یہاں اس آیت میں ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے اور وہ لفظ ''رب'' کا استعمال ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے والدین کے ساتھ احسان۔ اللہ جو سارے جہاں کا ''رب'' ''پروردگار'' اور پالنے والا ہے۔ اسی طرح باپ وماں میں بھی اس صفت ربوبیت کا پرتو اس طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے بچہ کی زندگی کی تمام ضروریات کو اس کی ارتقاء پذیر زندگی کے ساتھ پورا کرتے ہیں اور جیسے جیسے بچہ بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے اس کی پرورش میں مصروف ہوتے جاتے ہیں۔ گویا کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے۔[۲۸] جیسا کہ سورۃ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان اشکرلی ولوالدیک۔

ترجمہ: یعنی میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔ (سورۃ البقرۃ: آیت ۹)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گزار ہونا واجب ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو: اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو تا کہ تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ نیکی سے پیش آئے۔[۲۹]

صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ سے شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔

والدین کے ساتھ جس حسن سلوک کا حکم قرآن وحدیث میں دیا گیا ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں سے والدین کی قرابت یا دوستی تھی ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔ خصوصاً والدین کی وفات کے بعد۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''باپ کے ساتھ برا سلوک یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے[۳۰]''

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں ایک انصاری شخص آیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ کیا ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کا کوئی حق میرے اوپر باقی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں ان کے لیے دعا اور استغفار کرنا اور جو عہد انہوں نے کسی سے کیا تھا، اس کو پورا کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام واحترم کرنا اور ان کے ایسے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا جن کا رشتۂ قرابت انہیں کے واسطے سے ہے۔ والدین کے یہ حقوق ہیں جو ان کے مرنے کے بعد بھی تمہارے ذمہ باقی ہیں۔[۳۱] رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

والدین پر اولاد کا حق ہے کہ وہ ان میں عدل وانصاف کریں اور اولاد پر والدین کا حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ بھلائی کریں۔

بیوی اور شوہر کے حقوق:

عورت اور مرد، عورت ہونے یا مرد ہونے کی بنا پر ایک دوسرے پر کوئی تفوق نہیں رکھتے خالق کائنات کی نظروں میں دونوں انسان ہیں اور اپنے اپنے حقوق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:[۳۲]

اے لوگو: ہم نے تمہیں مرد اور عورت (آدم وحوا) کی نسل سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو (لیکن یہ قبیلوں اور گروہوں کا اختلاف برتری کا معیار نہیں ہے) بلاشبہ تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو''

ہر دوسرے نظام کی طرح گھر کی ترتیب وتنظیم کے لیے بھی ایک سرپرست اور ذمے دار شخص کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ہر وہ تنظیم جس میں کوئی ذمے دار اور جوابدہ شخص نہ ہو اس کی خرابی اور بربادی ایک یقینی امر ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اس تنظیم (یعنی گھر اور خاندان) کی فلاح وبہبود کو مدنظر رکھتے ہوئے کس کو ذمے دار اور جوابدہ ٹھہرایا جائے۔ مرد کو، عورت کو یا دونوں کو؟ بلاشک وشبہ مرد اور عورت دونوں کے سربراہ بن جانے سے نہ صرف

یہ کہ مشکل حل نہیں ہوسکتی بلکہ پریشانی اور بدنظمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ کسی ادارے کے دو سربراہ ہونا کوئی سربراہ نہ ہونے سے زیادہ نقصان دہ ہے اور جس مملکت کے دو مستقل حکمراں ہوں وہ ہمیشہ بدنظمی کا شکار رہتی ہے۔

بدنظمی کے علاوہ اگر ماں و باپ میں گھر کی سربراہی کے سلسلے میں اختلاف اور کشمکش ہو تو ماہرین نفسیات کے نظریے کے مطابق جو بچے ایسے گھر میں تربیت پائیں وہ روحانی اور اعصابی پیچیدگیوں اور خلل دماغ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ گھر اور خاندان کے امور کی ذمے داری عورت یا مرد میں سے کسی ایک کے سپرد ہونی چاہئے اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی جسمانی ساخت اور ذہنی رجحان کی بدولت مرد اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کا زیادہ اہل ہے۔[۳۳]

ماہرین کے مطابق جہاں تک جذبات کا تعلق ہے عورت کو مرد پر برتری حاصل ہے اور سوچ بچار کے معاملے میں مرد فائق ہے اور چونکہ انتظامی امور کے لیے عقل وفکر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے لہذا عقل سلیم یہ حکم دیتی ہے کہ خاندان کے نظم ونسق کی اہم ذمے داری مرد کے کندھوں پر ڈالی جائے اور سربراہی اور سرپرستی کا کام اس کے سپرد کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

> ان خصوصیات کی بنا پر جو اللہ نے انہیں عطا فرمائی ہیں اور ان مالی ذمے داریوں کی وجہ سے جو انہوں نے (اپنی بیوی کے اخراجات کے سلسلے میں) قبول کی ہیں کہ مرد، عورتوں کے سرپرست ہیں۔ (سورۃ النساء: آیت ۳۷)

اللہ تعالیٰ نے خاندان کے امور کے نظم ونسق کی رہنمائی اور ذمے داری مرد کے سپرد کی ہے اور یہ وظیفہ اسے سونپ دیا ہے۔ مرد کو یہ ذمے داری تفویض کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جسمانی لحاظ سے زیادہ طاقتور ہے اور سخت کام کرنے اور اپنے اہل وعیال کا دفاع کرنے کا زیادہ اہل ہے۔

جسمانی اور روحانی لحاظ سے عورت کی بناوٹ ایک خاص لطافت رکھتی ہے اور اس کے جذبات اور احساسات بھی نازک ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بچوں کی پرورش ونگہداشت کی وجہ سے لامحدود سرگرمیوں کی قوت نہیں رکھتی۔ مرد کا اپنے خاندان کا سربراہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دوسروں کا مالک ہے اور وہ اس کے غلام ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مرد نے خاندان کی مالی اعانت، ذہنی پرورش اور جسمانی حفاظت کی جو ذمہ داریاں سنبھالی ہیں ان کی بنا پر وہ سربراہ کہلا سکتا ہے لیکن اس کے اختیارات کی حدود اللہ کی جانب سے قطعی طور پر متعین کر دی گئی ہیں اور اسے

معقولیت کی حد سے تجاوز کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو خاندان کا سربراہ قرار دیا ہے۔ رسول اکرم نے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: ہر بشر آزاد اور خود مختار ہے۔ مرد کو اہل خانہ کے انتظام اور عورت کو خانہ داری کے امور میں آزادی اور خود مختاری حاصل ہے۔[34]

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: تم سب اپنے اپنے حصے کے سرپرست اور نگراں ہو اور سبھی اپنی اپنی ذمے داری کے لیے جوابدہ ہے۔ حاکم اور امام قوم کے لیے جوابدہ ہے۔ مرد خاندان کے لیے جوابدہ ہے عورت گھر کے امور اور اولاد کے لیے جوابدہ ہے اور جو کوئی جتنا اختیار رکھتا ہے اس کے لیے جوابدہ ہے اور جو فرائض اللہ تعالیٰ نے اس کے سپرد کیے ہیں ان کی انجام دہی کا ذمے دار ہے۔[35]

اس کے علاوہ قرآن مجید میں مردوں کو صریحاً یاددہانی کرائی گئی ہے کہ:

ترجمہ: اپنی بیویوں سے نیکی اور مہربانی کا سلوک کرو اور ناانصافی اور ترش روئی سے پرہیز کرو۔ (سورۃ النساء:۱۹)

معاشرے کے ہمیشہ پاک و پاکیزہ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کی تربیت کے مابین توازن قائم رہے کیونکہ عورت کی طہارت اور عفت اور مرد کی طہارت اور تقویٰ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اور دونوں پر اخلاقی قوانین کا برابر برابر اطلاق ہوتا ہے لہٰذا اگر معاشرہ اخلاقی عیوب سے پاک رہنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس کی عورتیں اور مرد پرہیزگار اور اخلاقی فضیلت کے حامل ہوں اور جو عمل ضمیر اور اخلاق کی تعلیمات کے منافی ہو دونوں اس سے پرہیز کریں اور اسے ایک ایسا مہلک زہر سمجھیں جو ایک دفعہ بدن میں داخل ہو کر پھر خارج نہیں ہوگا اور اس کے برے اثرات آئندہ زندگی کی سعادت اور خوش بختی کو زائل کردیں گے۔[36]

مرد کے خوشگوار متاہلانہ زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی سے روحانی یک جہتی رکھتا ہو۔ لیکن عورت کے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ مرد کی ہی بدلی ہوئی شکل ہو اور ہر بات میں اس کی تقلید کرے کیونکہ جس طرح عورت یہ نہیں چاہتی کہ اس کے شوہر کے اخلاق اور اطوار عورتوں جیسے ہوں اسی مرد بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی کی عادات مردوں جیسی ہوں۔

یتیموں کے حقوق:

معاشرے کے محروم طبقوں میں سے ایک وہ بچے ہیں جو چھوٹی عمر میں ہی اپنے والدین کو کھو دیتے ہیں اور ان کی محبت اور شفقت سے محروم ہو جاتے ہیں اگر ان کو اسی طرح شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے تو وہ بڑے ہو کر

غیر ذمے دار اور شریر ثابت ہوں گے۔[۳۷]

اسی بنا پر اسلام اپنے پیرو کاروں کو حکم دیتا ہے کہ ان بچوں کی پوری پوری دیکھ بھال کریں اور ان کی تربیت اپنی زیر نگرانی کریں۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

> ترجمہ: یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں ان سے کہہ دیجیے کہ ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان سے میل جول رکھو تو (اس مقصد سے کہ ان کی اصلاح کرو تو یہ درست کام ہے) کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور خدا (تمہاری نیتوں سے آگاہ ہے) نیکو کاروں کو مفسدوں سے پہچانتا ہے۔[۳۸]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے بچے اس نقص کی وجہ سے جو یہ اپنے آپ میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ دل شکستہ اور مغموم ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو حقیر محسوس کرتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر ان کے اس نقصان کی تلافی ہو جائے اور انہیں وہ چیز فراہم ہو جائے جو ان کی روح کی تسلی کا موجب ہو۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

> جو شخص کسی یتیم کی سرپرستی کرے اور اس کی زندگی کو صحیح شکل دے دے۔ حتیٰ کہ وہ اس سے مستغنی ہو جائے تو خدا تعالیٰ بہشت اس پر واجب کر دیتا ہے اور اسی طرح اگر وہ اس کے مال میں خیانت کرے تو دوزخ اس پر واجب کر دیتا ہے۔[۳۹]

امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

> جو شخص کسی یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرے خدا تعالیٰ قیامت کے دن اسے ان بالوں کی تعداد کے برابر نور دے گا جو اس کے ہاتھ کے نیچے سے گزریں گے۔[۴۰] ایک اور موقع پر اپنے فرزندوں کے نام وصیت میں فرماتے ہیں:
>
> یتیموں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ انہیں کبھی سیر اور کبھی بھوکا مت رکھو اور انہیں اپنے پاس (رکھ کر) مت بگاڑو۔[۴۱]
>
> رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:
>
> ایک دن حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ ایک قبرستان سے گزرے اور اپنی مخصوص نظر سے یہ معلوم کیا کہ ایک صاحب قبر کو عذاب دیا جا رہا ہے اور جب آپ ایک سال بعد وہاں سے گزرے تو قبر پر عذاب کے کوئی آثار نہ پائے۔ آپ نے خدا تعالیٰ سے اس صورت حال کی وجہ کے بارے میں سوال کیا۔ وحی آئی کہ وہ شخص گناہگار تھا اور اس کا ایک صالح فرزند تھا جس نے ایک سال کی مدت میں ایک یتیم کو

مکان مہیا کیا اور ایک راستہ ٹھیک کیا۔ خدا نے اس کے اس عمل کے عوض اس کے باپ کا گناہ معاف کر دیا۔[۴۲]

ایک حدیث شریف میں ہے:

جو شخص یتیم کی سرپرستی کرے۔ اس کے اخراجات برداشت کرے۔ میں اور وہ بہشت میں اسی طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح ہاتھ کی دو انگلیاں باہم متصل ہوتی ہیں۔[۴۳]

رشتہ داروں کے حقوق:

معاشرتی تعلقات میں سے صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی اسلام نے بڑی تاکید کی ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے قرابت داروں سے بھلائی اور نیکی سے پیش آئے خواہ وہ بے رخی، درشتی اور برائی سے پیش آئیں[۴۴]۔ ہم کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ انہیں اپنی طرف سے کسی بھی قسم کی تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے بلکہ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ راحت و آرام پہنچایا جائے۔ بعض اوقات رشتہ داروں کی طرف سے زیادتی ہو جاتی ہے لیکن تحمل سے کام لینا چاہیے اور درگزر سے پیش آنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا:

اے اللہ کے رسول میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حلیمی سے پیش آتا ہوں اور وہ مجھ سے جہالت سے پیش آتے ہیں۔[۴۵]

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر تم ایسا ہی کرتے ہو جیسا تم نے کہا تو انہیں اللہ تعالیٰ آگ میں ڈالے گا اور تمہارے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک مددگار رہے گا۔ جب تک تم اس عادت پر قائم رہو گے۔[۴۶]

یعنی اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ رشتہ دار اگر برا سلوک بھی کریں اور تعلق توڑنے کی باتیں کریں تو ہمیں صبر کے ساتھ کام لینا چاہیے اور تعلق کو استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رشتے داری کے رشتے کی حفاظت فقط دینی نقطہ نگاہ سے ہی اہم نہیں بلکہ اجتماعی لحاظ سے بھی بہت اہم ہے۔ امام علیؑ فرماتے ہیں:

اپنے رشتے داروں کا احترام کر کیونکہ وہ تیرے بال و پر ہیں جن کے بل بوتے پر تو اڑ سکتا ہے اور تیری جڑیں ہیں جن جانب تو لوٹ سکتا ہے اور تیرے بازو ہیں جن کے ذریعے تو دشمن پر حملہ کر سکتا ہے۔[۴۷]

ان وجوہ کی بناء پر رسول اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں جو قطع رحم کرتے ہیں یوں ارشاد فرمایا ہے:

جو شخص قطع رحم کرے گا وہ بہشت میں داخل نہیں ہوگا۔[۴۸]

ہمسائے کے حقوق:

معاشرے میں ایک جگہ رہتے ہوئے آپس میں انس و محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ رہنے والا شخص بھی غیر ہونے کے باوجود اپنا لگتا ہے۔ اسلام نے معاشرتی اصلاح کی غرض سے مندرجہ بالا تمام اکائیوں کی اصلاح کے لیے اصول و ضابطے مقرر فرمائے ہیں۔ اگر ان میں ایک اکائی خراب ہو جائے تو معاشرے میں بگاڑ اور انتشار کا باعث بنتی ہے۔ اسی لیے ہمسائے کا بہت حق ہوتا ہے اور مل کر رہنے سے برکت بھی ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

جو اچھی چیز پکاؤ وہ ہمسائے کے گھر ضرور بھیجا کرو۔[۴۹]

ہمسایوں کو رشتہ داروں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں کیونکہ کوئی بھی موقع ہو خوشی یا غمی میں سب سے پہلے ہمسائے ہی آتے ہیں۔ اس لیے اسلام کی تعلیمات میں سب سے پہلے ہمسائے ہی کے حقوق نظر آتے ہیں اسی یے اسلامی تعلیمات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ایک دوسرے سے اچھا سلوک کیا کرو اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھا کرو۔ کیونکہ اسلامی معاشرے کے اندر تمام افراد کو مل کر رہنا چاہیے۔ اسلامی معاشرہ عام افراد کو ایک لڑی میں پروتا ہے اور کنبے کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کا ایک فرد دوسرے کے لیے وہی احساسات رکھتا ہے جو اپنے سگے بھائی کے لیے محسوس کرتا ہے۔ اس بات کی تشریح اس آیت سے ہوتی ہے:

بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ تو خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظلم کے حوالے کرتا ہے۔[۵۰]

اس سے ظاہر ہوا کہ ہمیں ہمسایوں کے حقوق کے بارے میں خیال رکھنا چاہیے اور ان سے اچھا سلوک کرنا چاہیے اور ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنی چاہیے۔

ضرورت مندوں اور غریبوں کے حقوق:

موجودہ دنیا میں بہت زیادہ لوگوں کی غربت اور تنگدستی اور شدید طبقاتی اختلافات نے بنی نوع انسان کے دانشمندوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی ہے اور وہ اس درد کا علاج کرنے اور اس خطرناک طبقاتی فاصلے کو کم کرنے کی فکر میں ہیں۔

اسلام نے دولت کی ذخیرہ اندوزی کی پیش بندی اور تنگدستی کی مصیبت کی بیخ کنی کے لیے صدقات اور زکواۃ کا قانون نافذ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دولت مند لوگ اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنے مال کی ایک معینہ مقدار ہر سال ضرورت مندوں اور غریبوں کو دیں۔

قرآن مجید نے بہت سے مواقع پر اس کا ذکر کیا ہے اور اسے اس قدر اہمیت دی ہے کہ عموماً اسے سب سے بڑے دینی فریضے یعنی نماز کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو کیونکہ تم جو نیک کام انجام دو گے اس کی جزا پا لو گے۔[۵۱]

زکواۃ کا مقصد بھی یہی ہے کہ یہ غریبوں اور حاجتمندوں کو دی جائے۔ ویسے بھی ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے غریب مسلمان بھائی کی امداد کرے اگر وہ اپنے مال میں سے کچھ دے دے گا تو اس کا مال کم ہونے کی بجائے بڑھے گا اور اللہ اس میں برکت ڈالے گا۔ ضرورت مند وہ لوگ ہوتے ہیں جو تنگدستی میں گزارہ کرتے ہیں اس لیے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وہ شخص مومن نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے مگر اس کا پڑوسی (غریب اور محتاج ہو) بھوکا رہے۔[۵۲]

امام جعفر صادق کے مطابق:

خدا تعالیٰ نے ہزار درہم میں سے پچیس درہم زکواۃ مقرر کی ہے کیونکہ اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کی ضرورت کی مقدار سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ ہزار افراد میں سے پچیس فقیر ہیں (یعنی ضعیف اور ایسے اشخاص جو کام کاج کے قابل نہ ہوں اور فوری مدد کی ضرورت رکھتے ہوں، ان حدود میں ہیں) اسی نسبت سے ان کا حصہ مقرر کیا گیا ہے اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہوتی تو ان کا حصہ بھی زیادہ ہوتا کیونکہ خدا تعالیٰ ان کا خالق ہے اور ان کے حال سے آگاہ ہے۔[۵۳]

گویا کہ اسلام گردش دولت کا قائل ہے۔ اگر دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے تو امیر امیر تر اور غریب، غریب تر ہو جائے گا۔ اور معاشی ثقافت شدید ہو جائے گی۔

جنگی قیدیوں کے حقوق:

آنحضورﷺ نہ صرف اپنوں سے بلکہ بیگانوں اور جنگی قیدیوں سے بھی شفقت و رحمت کا سلوک کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ تمام کو قتل کر دیا جائے۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا جائے۔ رحمت عالم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مشورہ کو قبول فرمایا کیونکہ وہ مزاج رسولﷺ کے موافق تھا۔ علاوہ ازیں آنحضرتﷺ نے ظلم وستم کا

خاتمہ کیا جو زمانۂ جاہلیت میں روا رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اسلامی افواج کو ہدایات تھیں کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

الغرض آپ ﷺ تاریخ عالم میں منفرد، قابل ترین، شجاع اور کامیاب ترین سپہ سالار تھے۔ جو عسکری زبان میں کلام الٰہی کے ترجمان اور پوری انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔ جنگی قیدیوں کے حقوق کا خیال رکھنا ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان کو ان کے حقوق دے اور ان سے اچھا سلوک کرے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ درگزر بہترین حکمت عملی ہے۔[۵۴] اسی لیے جنگی قیدیوں کو تنگ نہیں کرنا چاہیے بلکہ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

بیماروں اور معذوروں کے حقوق:

بیمار عموماً دل شکستہ اور پژمردہ افراد ہوتے ہیں جو ہر چیز سے زیادہ دلجوئی، نوازش اور روحانی تقویت کے حاجت مند ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو محروم اور معذور پاتے ہیں اور بعض اوقات اپنے آپ سے بالکل ناامید ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں دوستوں اور دینی بھائیوں کا دیدار ان کی کتنی تسلی خاطر کا موجب ہو سکتا ہے اور ان کی پریشانیوں کو کس قدر تسکین اور ان کی روح کو کس قدر طمانیت بخش سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام حکم دیتا ہے کہ بیماروں سے جا کر ملو اور ان کی عیادت کو فراموش نہ کرو۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

> جو مسلمان کسی بیمار کو جا کر دیکھے وہ خدا کی رحمت میں ڈوب جاتا ہے اور جب وہ اس کے پاس بیٹھا ہوتا ہے تو خدا کی رحمت کے درمیان بیٹھا ہوتا ہے اور اگر وہ اسے صبح دیکھے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر سلام کہتے ہیں اور اگر اسے شام کو ملے تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس پر سلام کہتے ہیں۔[۵۵]

اسلام حکم دیتا ہے کہ جب تم بیماروں سے ملاقات کرو تو ان کا حال پوچھو اور ان کے حق میں دعا کرو۔ کیونکہ ممکن ہے اس وسیلے سے ان کے قلب کو تسکین حاصل ہو۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

> بیماروں کو جا کر دیکھو اور مُردوں کی تشیع کرو تاکہ تم آخرت کو یاد کرو بیمار کے لیے دعا کرو اور کہو اے خدا اسے اپنی شفا سے شفا دے اور اپنی دوا سے مداوا کر اور اسے اپنی بلا سے امان میں رکھ۔[۵۶]

جب ایک بیمار سے ملنے جاؤ تو اس کے لیے تحفہ لے کر جاؤ خواہ وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

> جو شخص بیمار کو وہ چیز کھلائے جس کی اسے خواہش ہو تو اسے خدا تعالیٰ بہشت کے میووں میں سے دے گا۔[۵۷]

معذور افراد کی بحالی کے لیے حکومت اور بااثر افراد کو کام کرنا چاہیے۔ انہیں گھر پر کام مہیا کریں اور ان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں اور انہیں کوئی ایسا کام دیں جو ان کی استطاعت میں ہو یا لکھنے پڑھنے کا کام دیں۔

مزدوروں کے حقوق:

محنت و مشقت کرنے والے افراد کو مزدور کہتے ہیں۔مزدور سارا دن محنت کر کے اپنی روزی کماتا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مزدور کو انسانوں کی طرح مخاطب کرو اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرو جیسا انسان سے کیا جاتا ہے اس سے جانوروں کا سا سلوک نہ کرو۔[۵۸]

اسلام میں بھائی چارے پر بڑا زور دیا گیا ہے۔اسلام میں تمام افراد کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔مزدوروں سے کام لے کر انہیں نوکروں کی حیثیت نہیں دینی چاہیے اگر مزدور طبقہ نہ ہو تو سارا دن دھوپ میں کھڑے ہو کر کام کون کرے گا۔مزدوروں کی وجہ سے بڑی بڑی عمارات بنتی ہیں اور معاشرے میں ان ہی کی وجہ سے تمام کام بحسن وخوبی سرانجام پاتے ہیں۔[۵۹] اس لیے اسلام میں امتیازی فرق کہیں بھی نظر نہیں آتا اور نہ ہی انسانوں کو زیب دیتا ہے کہ وہ یہ فرق کریں۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ: مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔[۶۰]

ایک اور جگہ ارشاد پاک ہے:

خود کما کر کھانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔

اسلام میں بنیادی انسانی حقوق:

اسلام میں بنیادی انسانی حقوق کی بڑی اہمیت ہے اور خود ہمارا دین بھی ہمیں یہ حقوق پورے کرنے کی تلقین کرتا ہے۔بنیادی انسانی حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

انسانی زندگی کی حفاظت:

اسلام نے انسانیت کو بلند درجے پر فائز کیا ہے۔اسلام کے نزدیک انسانی زندگی کی بہت اہمیت ہے۔حتیٰ کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی بھائی چارے سے پیش آنے کو کہا ہے۔انسانی جان کی حفاظت کا ذمہ ہر اسلامی ریاست کا فرض ہے۔[۶۱] ہر انسان کو زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے اور اس کی حفاظت کا حکم خود باری تعالیٰ نے دیا ہے کہ:

اپنی جان کی حفاظت کرو۔یہ تمہارے پاس ہماری امانت ہے جس طرح امانت دار اپنی اور لوگوں کی امانتوں کا ضامن ہوتا ہے۔اسی طرح تم اپنی زندگی کو نیک کاموں میں خرچ کرو۔(سورۃ البقرہ:۶۷)

انسان کو زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اس لیے زندگی گزارنے کے نیک اور پاکیزہ طریقے اختیار کرنے چاہئیں اور ایسی اچھی زندگی گزاریں تا کہ لوگ اس کی مثالیں دیں۔اس لیے اپنی زندگی کو برے کاموں میں ڈال کر اسے

آلودہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسلامی احکامات کے اندر رہ کر زندگی گزارنی چاہیے اور اپنی زندگی کی حفاظت کرنی چاہیے۔[۶۳]

جائیداد کا حق:

اسلامی ریاست، درست معانی کے لحاظ سے بڑی وسیع ریاست کہلائی جاتی ہے۔ کیونکہ یہاں انسان کو بنیادی حقوق کے لیے لڑنا نہیں پڑتا بلکہ خود اسلام تمام بنیادی حقوق انسانوں کو مہیا کرتا ہے۔ ہر شخص اپنی محنت اور جائز کمائی کے ذریعے جائیداد بنانا چاہتا ہے۔ اس کو اپنی جائیداد کو استعمال اور اس سے فائدہ اٹھانے کا مکمل حق ہے۔ وہ اپنی زندگی میں جس طرح چاہے، فروخت کرے، یا کسی کو تحفہ دے یا اپنی اولاد میں تقسیم کر دے۔ اس معاملے میں وہ آزاد ہے۔ اور اگر کوئی ناجائز طریقوں سے کسی دوسرے کی جائیداد لینا چاہے تو اس کے خلاف قانونی کاروائی کرنا ضروری ہوتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ بیٹوں کو اہم سمجھتے ہوئے انہیں ہر قسم کا حق دیتے تھے لیکن اپنی بیٹیوں کو قابل نفرت جانتے تھے۔ اس لیے ان کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا بلکہ اسلامی ریاست میں اس بات کی بھی ممانعت کی گئی اور لڑکیوں کا بھی وراثت میں حصہ رکھا گیا۔

اللہ تعالیٰ جس کو جائیداد سے نوازتا ہے یعنی جس کو سب کچھ کھلا دیتا ہے تو اس کا مطلب بھی آزمائش ہے کیونکہ کبھی وہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی لے کر آزماتا ہے یہ انسان پر ہے کہ وہ کس طرح اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر اس کی آزمائش پر پورا اترتا ہے۔[۶۲]

عزت کا حق:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ذاتی عزت نفس کا حقدار بنایا ہے یعنی ہر انسان اپنی عزت کی حفاظت کر سکتا ہے اور اس کا یہ حق اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

> ہم نے تمہیں اشرف المخلوقات بنایا یعنی تمہارا درجہ سب سے بلند کیا ہے۔ اس لیے تم اپنے درجے کا لحاظ رکھو۔[۶۳]

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور اسے چاہیے کہ وہ اس کی عزت کی حفاظت کرے اور کوئی کام ایسا نہ کرے جس سے دوسرے مسلمانوں کو دکھ ہو۔ ذیل میں ہم مختلف صحابہ کرامؓ کی باتیں بیان کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک انسان کی عزت، ہر شخص کی عزت ہے اور وہ بہت اہم ہے۔[۶۴]

پہلے ہم معوذ بن انسؓ کی حدیث بیان کرتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دس سال تک رہے لیکن حضور ﷺ نے انہیں اف تک نہ کہا۔ حضرت معوذؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ایک مسلمان کی عزت دوسرے مسلمان سے جڑی ہوئی ہے اس لیے تمہیں ایک دوسرے کی عزت کا خیال کرنا چاہیے۔ [۶۵]

سعد بن زیادہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا ارشاد ہے:

بہترین شخص وہ ہے جس کی زبان، ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ [۶۶]

ابن عمر کے مطابق آنحضورﷺ فرماتے ہیں کہ ''اس مسلمان کی کیا مثال دیں جو دوسرے مسلمان میں غلطیاں دیکھے لیکن ان کو چھپا جائے جس طرح وہ دوسرے مسلمانوں کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا عیب دوسروں سے چھپائے گا''۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ:

ایک مسلمان، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس لیے اس مسلمان سے دوسرے کی عزت، خون اور جائیداد محفوظ رہنی چاہیے۔ [۶۷]

صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو لوگوں کی عزت نفس کی حفاظت کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو تلقین کرتا ہے: مل کر رہو، آپس میں نفاق پیدا نہ کرو۔ [۶۸]

برابری کا حق:

اسلام نے تمام مسلمانوں کو یکساں اور برابر قرار دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تم سب مل کر رہو۔ اسلام اتنا عظیم مذہب ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے شرف انسانیت، وحدت انسانیت، انسانی مساوات اور عالمگیر اخوت کی تعلیم دی ہے۔ اسلامی تہذیب کی بدولت تمام تہذیبوں میں انقلاب برپا ہو گیا جسطرح اسلام برابری اور مساوات کا حکم دیتا ہے اس طرح دنیا کے کسی بھی مذہب میں ایسا نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :تمام مومن یا ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ان آیات کی وضاحت خود آنحضرتﷺ نے کی ہے کہ:

ترجمہ: تو مسلمانوں کو دیکھے گا کہ وہ آپس میں رحم کرنے، مہربانی کرنے میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ جب جسم کا ایک حصہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو باقی جسم بھی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یعنی ملت اسلامیہ کے تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ ایک کنبہ اور خاندان کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ اسی صفت کو قرآن پاک میں اخوت یا برابری کے نام سے منسوب کیا گیا ہے یعنی تمام مسلمانوں کو برابری کی بنیاد پر پیدا کیا گیا ہے۔ انہیں اپنے نیک ہونے پر فخر کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جس نے انہیں مسلمان

بنایا اور برابری کا حق دیا۔ اگر ہم برابری کی کوئی مثال اسلامی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو نماز سب سے شاندار مثال ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے امیر وغریب سب ایک جگہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس برابری کی مثال ڈاکٹر محمد اقبال نے دی:

بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اسلام کی رو سے تمام انسان برابر ہیں۔ اس لیے اسلام کی رو سے ''کسی بھی مسلمان کو سماجی تقریبات، عبادات کے مواقع پر یا اجتماعی زندگی میں کوئی برتری حاصل نہیں'' اسلام ہمارا دین ہے اور یہ ہمیں ہر انسان کے ساتھ ہمدردی ومحبت کے ساتھ پیش آنے کا سبق دیتا ہے۔ اسلام ذات پات، امیری غریبی، رنگ ونسل کے فرق کو مٹاتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایمان صالح کے علاوہ انسانی فضیلت کا کوئی معیار نہیں۔

مذہبی آزادی:

اسلام رواداری سکھاتا ہے اور دوسرے عقائد ومذاہب کا وجود برداشت کرنے کی تعلیم دیتا ہے تا کہ تقابل کا پہلو موجود رہے اور اسلام کی فوقیت وبرتری ثابت ہو سکے۔ چنانچہ آنحضورﷺ نے ہجرت کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ جب میثاق مدینہ طے کیا تو اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ تمام باشندگان کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ [۶۹] اسلام ہر شخص کو اس کی مذہبی تعلیمات کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

ترجمہ: یعنی دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے

ہر انسان، مسلم وغیر مسلم کو اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ہے۔ اسی لیے اسلام نے ہر قسم کی تعریف مثادی ہے اور انسانیت کو اس کا صحیح مقام بخشا ہے۔ بقول علامہ اقبال:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اسلام وہ واحد مذہب ہے جو غیر مسلموں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے پر زور دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات اس حسن سلوک سے بھری پڑی ہیں کہ مسلمانوں نے کس طرح غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ گویا کہ اسلام نے اقلیتوں کو بھی پورا پورا تحفظ دیا ہے، وہ غیر مسلم قومیں جو اسلامی حکومت کے زیر سایہ بستی ہیں۔ اس سے وفاداری کا دم بھرتی ہیں اسلام ان کے تمام حقوق کو پورا کرتا ہے۔ گویا کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بالکل وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری میں شامل ہے کہ:

وہ غیر مسلموں کی جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔ [۷۰]

اس لیے اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے ہر شخص کو آزادی حاصل ہونی چاہیے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے مذہب اختیار کر سکتا ہے۔ اور اس کے مطابق باقی ماندہ زندگی گزار سکتا ہے۔ اسلام نے ہمیں اتنی سہولتیں دی ہیں کہ ہم کہہ سکتے ہیں:

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پابہ گل بھی ہے
انہی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

سوچنے کی آزادی:

اسلام انسان کو سوچنے کی آزادی دیتا ہے یعنی انسان اپنی سوچوں میں آزاد ہے وہ اپنا اچھا برا سوچ سکتا ہے اور پھر اس کے مطابق اس کو عمل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسلام ایک وسیع قلب مذہب ہے۔

اسلام انسان کے سوچنے پر پابندی نہیں لگاتا یعنی ہر انسان اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔ اس کو اس بات کی بھی آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے طرز حکومت، انتظامیہ اور دیگر ملکی امور کے مطابق سوچ سکے اور اگر اس کو کوئی کمی بیشی نظر آئے تو وہ اپنی رائے دے سکتا ہے۔ یعنی انسان کو اپنی رائے کے اظہار پر پابندی نہیں لگانی پڑتی بلکہ وہ اس بات میں آزاد ہے کہ وہ اپنے حکومتی امور میں مداخلت کر سکے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

تم اللہ تعالیٰ کی سچے دل سے عبادت کرو۔ آنحضرت ﷺ کی تابعداری کرو اور اگر کسی معاملے میں اختلاف محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضور اکرم ﷺ کی سنت سے مدد لو۔

یعنی انسان اپنی رائے کے اظہار میں آزاد ہے اور اگر اس کو اختلاف ہے تو وہ اسلامی تعلیمات سے مدد لے سکتا ہے کیونکہ سوچنا فطری عمل ہے۔

بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی آزادی:

اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ لوگوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے۔ اگر ہم معاشی لحاظ سے بنیادی ضروریات کا جائزہ لیں تو یہ روٹی، کپڑا اور مکان ہیں۔ ان تمام کو اپنے محدود ذرائع سے پورا کرنا ہر ریاست کا بنیادی فرض ہے۔

ایک فرد کی حیثیت سے ہم بنیادی ضروریات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ افراد کو زندہ رہنے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت کا فرض ہے کہ جو لوگ محتاج، معذور اور کسی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ ان کی بنیادی ضروریات کو اپنے خزانے سے پورا کرے تا کہ وہ معاشرے میں ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے زندگی گزاریں اور ان کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔

کام کرنے کی آزادی:

یہ ہر ایک کا حق ہے کہ وہ اپنی آمدنی کے مطابق اپنے لیے کام یا پیشہ اختیار کرے گویا کہ:

اسلام نے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی روزی کمانے کے لیے کوئی بھی اچھا اور بہترین کام کرے۔[۷۱]

اسلام نے ہر شخص کو یہ تلقین کی ہے کہ وہ اپنے خاندان کی ضروریات اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کام کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس میں بدنامی کا خطرہ ہو جیسے رشوت خوری، چور بازاری، ہلڑ بازی، چوری چکاری، کاروبار میں دھاندلی، ذخیرہ اندوزی اور ڈاکہ زنی۔ یہ سب کام ایسے ہیں جن کو کرنے سے نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہوتے ہیں بلکہ اس میں انسان نہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا۔

اگر ہم اسلامی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہماری تاریخ ان واقعات سے بھری پڑی ہے جس سے ہمیں سبق مل سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام کام خود کرتے تھے۔ انہوں نے بچپن میں بکریاں بھی چرائی ہیں اور یہ کام ان کے صحابہ کرامؓ نے بھی انجام دیا۔ اور اس کام کو وہ برا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس میں فخر اور عزت محسوس کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنا ہر کام خود کرتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگاتے تھے۔ اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے تھے اور اپنی بکریوں کا دودھ بھی خود نکالا کرتے تھے۔ اس لیے اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو کام کرنے کے مواقع دے پھر یہ لوگوں کی مرضی ہے کہ وہ کونسا کام کرنا پسند کرتے ہیں۔[۷۲]

''آنحضرت ﷺ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کو سخت برا سمجھتے تھے''

یعنی جن لوگوں کو کام نہیں ملتا وہ ایک دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلا کر اپنی ضروریات کو پورا کر لیتے ہیں۔ اس طرح انہیں مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور وہ بغیر کسی محنت و مشقت کے اپنی ضرورتوں کو پورا کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے ہر شخص کو کام کرنے کے یکساں مواقع ملنے چاہئیں تاکہ وہ محنت و مشقت کر کے اپنی ضرورتوں کو پورا کرے۔ ایک حدیث مبارکہ کے ذریعے ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں:

ایک دفعہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے سوال کیا کہ تمہارے پاس کچھ ہے اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک کمبل ہے۔ جس کو اوڑھ کر سوتا ہوں اور ایک پیالہ ہے۔ جس میں ہم سب پانی پیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ اپنے گھر جاؤ اور یہ دونوں چیزیں لے آؤ جب وہ آدمی یہ چیزیں لے آیا تو آپ ﷺ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ ان چیزوں کو کون خریدے گا۔ آپ ﷺ نے یہ چیزیں دو درہم میں بیچ دیں ان میں سے ایک درہم اس کو دیا کہ جاؤ بازار سے کلہاڑی لے کر آؤ۔ وہ کلہاڑی لے کر آیا تو

آپ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا اور کہا جاؤ۔لکڑیاں کاٹ کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالو۔لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا اور دوسرے درہم سے کھانے کا سامان لے کر جاؤ۔وہ آدمی چلا گیا اور دس دن کے بعد دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یا حضرت ﷺ، میرے پاس دس درہم جمع ہو گئے ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے اسے بھیک مانگنے سے بچالیا۔

انصاف کا حق:

انصاف اسلامی معاشرے کی اہم خصوصیت ہے۔کسی چیز کے ٹھیک اپنے محل اور حدود کے اندر ہونے کا نام عدل ہے۔[۷۳] معاشرے کے تمام افراد کے حقوق کا تحفظ لازمی ہے۔کسی بھی معاشرے میں ظلم،فساد اور بگاڑ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انصاف کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور افراد کے حقوق کو پامال کر دیا جائے۔انصاف کا تقاضا ہے کہ جو شخص بھی قانون کی خلاف ورزی کرے وہ سزا سے نہ بچ سکے۔اس سلسلے میں امیر،غریب،چھوٹے اور بڑے میں تمیز نہیں ہونی چاہیے۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

انصاف اور عدل سے کام لو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے۔[۷۴] اس انصاف کی ہم ایک بہترین مثال بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ہر ایک کے لیے سبق آموز ثابت ہو۔ایک دفعہ قریش کے معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی تو آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔جب اس کی سفارش کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

> تم سے پہلے قومیں اسی لیے برباد ہو گئیں کہ انہوں نے امیر و غریب کے لیے الگ الگ قوانین بنائے تھے۔خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ یہ عمل کرتیں تو میں ان کے ہاتھ بھی کٹوانے کا حکم دیتا۔[۷۵]

اسی سلسلے میں علامہ اقبال نے فرمایا:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

انصاف کی کئی صورتیں ہیں۔جن کی مختلف اوقات میں ضرورت پڑتی ہے مثلاً:

۱۔ خرید و فروخت میں عدل و انصاف کا خیال رکھنا چاہیے۔اس کا تقاضا ہے کہ کاروباری لوگ اوزان اور پیمانوں میں کمی بیشی نہ کریں۔یہ ایک جرم ہے۔

۲۔ سرکاری حکام اپنے فرائض عدل و انصاف سے سرانجام دیں اور عام شہریوں کی فلاح و بہبود کا خاص خیال رکھیں۔

۳۔ کسی بھی ملک میں عدلیہ معاشی معاملات میں آزاد نہیں ہے تو عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

۴۔ عدالتوں میں ججوں کو آزاد ہونا چاہیے اور یہ انکا فرض ہے کہ وہ بلا کسی خوف وخطر اور لالچ کے قانون کی روشنی میں فیصلہ کریں۔

اگر عدل وانصاف کا انفرادی واجتماعی طور پر خیال نہیں رکھا جائے گا تو معاشرے کا نظم ونسق صحیح طور پر سرانجام نہیں پاسکتا۔[۷۶]

تعلیم حاصل کرنے کا حق:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے کا بنیادی حق حاصل ہے تاکہ وہ تعلیم حاصل کر کے ملک کا مفید شہری بنے کوئی ریاست ومملکت تعلیم کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتی کیونکہ تعلیم کی اہمیت مسلّم ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں نظام تعلیم کا تمام تر انحصار اسلامی مدرسوں پر تھا جو اوقاف کے ذریعے چلتے تھے۔ انگریزوں نے ان اوقاف کو مضبوط کرلیا اور اس طریقۂ تعلیم میں اپنے آپ کو اتنا (Mix) کرلیا کہ آج وہ تعلیمی میدان میں ہم سے آگے ہیں اور اس طرح مسلمان تعلیم کے میدان میں پیچھے رہ گئے۔ کیونکہ مسلمان نہ تو فاتحین کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار تھے اور نہ وہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ گویا مسلمان کسی بھی میدان میں آگے نہ بڑھ سکے۔

حالانکہ اسلام نے تعلیم حاصل کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ تعلیم حاصل کر کے انسان اللہ تعالیٰ کے اور زیادہ قریب آجاتا ہے کیونکہ علم کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلایا اور اسے فرشتوں پر برتری حاصل ہوئی۔ جبکہ مسلمانوں کے لیے تعلیم کا حصول ایک دینی فریضہ ہے۔ اسلام نے حصول علم کی بار بار تلقین کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔[۷۷]

خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو یہ دعا سکھائی:

اور (اے نبی) کہہ دیجیے کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ کر۔ (سورۃ طٰہٰ: ۱۱۴)

علم کی اہمیت کا اندازہ ہمیں ان احادیث سے بھی ہوجاتا ہے کہ علم کی اہمیت کیا ہے۔

پنگھوڑے سے لے کر لحد تک علم حاصل کرو۔[۷۸]

اسلام کی دولت سے مالا مال ہوکر مسلمانوں نے اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ کیا۔ ماضی میں مسلمان علم کیمیا، طبعیات، ریاضی، طب، جغرافیہ، اور فلسفہ جیسے علوم میں اپنے جھنڈے گاڑ دیئے لیکن بعد کے ادوار میں ان میدانوں میں یورپ والے چھا گئے۔

لین دین کا حق:

ہر انسان کو برابری کی سطح پر ایک دوسرے سے لین دین کا حق ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ لین دین کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہے۔اگر ہم اسلامی تعلیمات کے حوالے سے دیکھیں تو قرآن پاک میں بار بار ارشاد ہوتا ہے کہ:

> جو معاہدے یا لین دین میں تم سے دو یا زائد افراد کے درمیان طے پا جائیں انہیں کسی کاغذ پر لکھ لیا کرو۔[۷۹]

یعنی ایک دوسرے کے ساتھ کاروبار کرتے ہوئے انسان شراکت داری بھی کرتا ہے۔اسی لیے قرآن پاک میں اس بات کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ آپس میں لین دین رکھو لیکن ایمانداری کی صفت کے ساتھ اگر اس میں یہ صفت ناپید ہوگی تو وہ دھوکہ یا فراڈ قرار دیا جائے گا۔لین دین میں تحائف کا شمار بھی ہوتا ہے۔خود ہی رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

> آپس میں تحفے تحائف دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے اور کینہ جاتا رہتا ہے۔[۸۰]

لین دین کسی بھی معاشرے کا اہم جز ہے۔اگر یہ نہ ہو تو آپس میں تعلقات نہیں بڑھتے۔تعلقات نہ بڑھیں تو معاشرے کے جملہ امور صحیح طور پر سرانجام نہیں پاتے۔اگر شراکت کاروبار کے لیے ہو تو اس کے مندرجہ ذیل امور ہوں گے:

۱۔ لین دین کرنے والے فریق دو ہوں گے

۲۔ ان کے درمیان کوئی مقصد ہوگا

۳۔ وہ دونوں آپس میں متفق ہوں گے

۴۔ دونوں کے درمیان ہر معاملہ وضاحت سے بیان کیا جائے گا

یہ باتیں لین دین کے علاوہ کسی بھی معاملہ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

طبی صحت اور سہولیات کا حق:

اسلام فرد کو صحت کی حفاظت کا پورا پورا حق دیتا ہے۔لیکن اسلامی حکومت میں لوگوں کو صحت کی حفاظت کی سہولیات مہیا کرنا، ریاست یا حکومت کا فرض ہے۔اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ کمزور، بوڑھے اور معذور افراد کو طبی سہولیات مہیا کرے۔ڈسپنسریاں اور میڈیکل سنٹر کا قیام وجود میں لائے تاکہ لوگ وہاں اپنا علاج کروائیں اور اپنی صحت کو بحال رکھیں۔کیونکہ اگر لوگ صحت مند نہیں ہوں گے تو معاشرہ کس طرح صحت مند ہوگا۔اس لیے حکومت کا فرض ہے کہ جگہ جگہ طبی امداد کی ڈسپنسریاں قائم کرے تاکہ لوگ بروقت طبی امداد حاصل کر سکیں اور اپنا علاج کروا سکیں۔

سیاسی حقوق:

آج کے جدید دور میں حکومتوں نے اپنی عوام کو بہت سے حقوق دے رکھے ہیں جن میں ووٹ ڈالنے کا حق، حکومت پر تنقید کا حق اور اپنی جماعت کے انتخاب کا حق حاصل ہے۔ یعنی ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ووٹ ڈال کر اپنے نمائندوں کو منتخب کرے اسی موجودہ دور میں لوگ حکومتیں تشکیل دیتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے تحت بھی لوگوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنا خلیفہ خود چنیں لیکن ان میں انہیں اس دور میں بھی اور آج کے دور میں بھی چند باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

۱۔ ان کا حاکم سچا مسلمان ہو
۲۔ وہ اپنے اعمال میں ٹھیک ہو
۳۔ وہ اسلامی تعلیمات پر صحیح طریقے سے عمل کرتا ہو
۴۔ اخلاق کا اچھا ہو
۵۔ ملک کا انتظام سنبھالنے کا اہل ہو

ان حدود میں رہ کر انسان کو اپنے سربراہ کا انتخاب کرنا چاہیے۔

کسی بھی قوم کی پائیداری اور ملت کی بقا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ سیاسی طور پر مستحکم نہیں اسی لیے اسلام نے سیاسی استحکام کے لیے بھی واضح اصول دیئے ہیں۔ ان تمام میں اہم اصول شورائی نظام ہے۔ اس سے مراد ہے کہ ایک اسلامی حکومت نہ صرف اپنے ملکی امور میں اس اصول کو اپنائے بلکہ تمام اسلامی ممالک میں بھی ایسی مجالس قائم کرے جو مسلمانوں کے لیے ایک بلاک کی حیثیت رکھتا ہے اور دشمن کی تمام چالوں کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔

فرزندان اسلام اس وقت دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں اور زمین کے چھٹے حصہ پر قابض ہیں۔ یعنی اسلامی تعلیمات دور دور تک پھیل چکی ہیں اس لیے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے سیاسی حقوق کا استعمال صحیح طور پر کریں۔ تمام اسلامی ممالک اس کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں کہ ان کی سیاست اتنی مضبوط ہونی چاہیے کہ وہ یک جان دو قالب ہو جائیں۔

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق:

اسلام نے فرد کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق بھی دیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کے متعلق کہا گیا ہے:

ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق بھی جہاد ہے۔

یعنی ظلم کے خلاف آواز اٹھانا بھی جہاد میں شامل ہے۔حضور اکرم ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

تم میں جو کوئی ظلم دیکھے تو اگر روکنے کی طاقت رکھتا ہے تو ہاتھ سے روکے، ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو زبان سے برا بھلا کہے، اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل میں اس کو برا سمجھے۔[۸۱]

حضرت ابوبکر صدیق ؓ جو مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے جب انہوں نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالی تو انہوں نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں انہوں نے فرمایا:

میں اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے کی کوشش کروں گا جب تک میں اچھے کام کروں تم لوگ میری پیروی کرنا اور اگر میں برے کام کرنے لگوں تو مجھے باز رکھنے کے لیے قدم اٹھانا۔[۸۲]

یعنی جب حضور اکرم ﷺ کے قریب رہنے والے افراد جنہیں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے جب وہ انسانوں کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا خلیفہ چن سکتے ہیں اور انتظامیہ میں دخل اندازی بھی کر سکتے ہیں۔اس لیے ظلم کے خلاف آواز اٹھانا ہر ایک کا حق ہے۔اس لیے جو ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا بلکہ جابر یا ظلم کرنے والے کا ساتھ دیتا ہے۔وہ سب اسلام سے باہر ہیں۔

خاندانی حق:

خاندان کسی بھی معاشرے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔اسلامی ریاست کا شہری ہونے کی حیثیت سے ہر شخص کو خاندان بنانے کا حق ہے کیونکہ یہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور خاندان رکھنے کا حق کا شمار بنیادی انسانی حقوق میں ہوتا ہے۔آنحضرت ﷺ ارشاد پاک ہے کہ

تم میں سے وہ بہتر ہے جو اپنے اہل خاندان کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل خاندان کے لیے بہتر ہوں۔[۸۳]

اسلام میں خاندانی حقوق میں جو حقوق شامل ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ شادی کا حق
۲۔ علیحدگی کا حق
۳۔ شادی کو صحیح طریقے سے استوار کرنا
۴۔ بچوں کی پرورش کا حق
۵۔ وراثت کا حق

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

تم میں سے بہترین وہ ہے جو شادی کرے اور اس کو بہترین طریقے سے نبھائے۔[۸۴]

حضرت انسؓ جو حضور اکرم ﷺ کے صحابی تھے ان سے روایت ہے کہ حضرت محمد ﷺ جو اللہ کے آخری رسول ﷺ ہیں انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے جس نے بھی کسی عورت سے شادی کی وہ جان لے کہ اس نے آدھے دین کو پالیا۔ علیحدگی کو اسلام میں سخت ناپسند فرمایا ہے۔ حکم ربانی تو یہاں تک ہے کہ علیحدگی کا لفظ جس گھر میں ایک دفعہ بھی استعمال ہو جائے تو وہاں سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

غیر مسلموں کے حقوق:

اسلامی حکومت غیر مسلم رعایا کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ غیر مسلم رعایا کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت اسی طرح سے ہونی چاہیے جیسے مسلمان کی۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو کاروبار، تجارت اور ہر قسم کا پیشہ اختیار کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ غیر مسلم رعایا سے کئے گئے معاہدوں کی پاسداری ہونی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو اپنے مذہب اور عقیدہ پر عمل کی آزادی ہونی چاہیے تا کہ وہ اپنے نظریات کی ترویج کے لیے اقدامات کر سکیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے نابینا کو دروازوں پر بھیک مانگتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ یہودی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حال پر پہنچایا ہے۔ اس نے جواب دیا جزیہ، ضرورت اور بڑھاپا۔ حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اتنا کچھ دیا جو اس کی اس وقت کی ضرورت کے لیے کافی تھا۔ پھر امیر بیت المال کو لکھا کہ ایسے افراد کی طرف توجہ دو۔ خدا کی قسم یہ اہل کتاب کے مساکین میں سے ہیں۔ اس طرح آپؓ نے اس یہودی اور اس کی طرح کے دیگر افراد کو جزیہ سے بری قرار دیا۔[۸۵]

حوالہ جات

۱۔ Macropaedia, *The New Encyclopaedia Britanica*, vol.8, (Toronto: Helen Hemingway Benton, 1973-74). pp. 1186-87.

۲۔ Ibid

۳۔ Paras Diwan and Peeyushi Diwan, *Human Rights and the Law*, Karachi: Pakistan Law (Oxford: Oxford University Press, 1996, pp.77).

۴۔ Zafarullah, *Human Rights*, (Karachi: Pakistan Law House, 2001) p.11.

۵۔ M. G. Chitkara, *Human Rights in Pakistan*, (New Delhi: A.P.H. Pulishing

Corporation, 1979).p.1-20.

۶۔ M. Sharif Chaudhry , *Human Rights in Islam*,(Lahore: All Pakistan islamic Education Congress,1993),pp.67

۷۔ ایضاً۔

۸۔ اسرار عالم، *عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال*، (دہلی: قاضی پبلشر اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ۱۹۹۶ء)، ص ۱۔۲۰

۹۔ عرفان حسن صدیقی، *عدل: اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری*، (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۷۷۔

۱۰۔ محمد منیر، *اسلام اور تہذیب حاضر*، (لاہور: لا پبلشنگ کمپنی، ۱۹۷۲ء)، ص ۵۷

۱۱۔ شیخ روشن علی نجفی، *اسلام کے بنیادی عقائد*، جلد چہارم، (ایران: معارف اسلامی، ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ)، ص ۱۳۴۔

۱۲۔ چوہدری فضل احمد، *سیاسیات اسلام*، (لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۶۲ء)، ص ۴۷۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۷۹۔

۱۴۔ کوثر نیازی، *اسلام ہمارا دین*، (لاہور: علمی پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۴ء)، ص ۱۱۶۔۱۱۸۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۸۹۔

۱۶۔ ایضاً ص ۱۵۹۔

۱۷۔ مولانہ محمد منظور نعمانی، *اسلام کیا ہے*، (کراچی: تاج کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۶۲ء)، ص ۳۴۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۷۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۸۹۔

۲۰۔ کوثر نیازی، *بصیرت*، (شیخ غلام علی اینڈ سنز: لاہور، ۱۹۷۵ء)، ص ۲۷۔

۲۱۔ Encyclopaedia of Britanica,vol.9,p.106-14.

۲۲۔ کوثر نیازی، *بصیرت*، ص ۲۸۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۴۷۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۷۸۔

۲۵۔ ایضاً، ۱۷۹۔

۲۶ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، *قرآن حکیم اور ہماری زندگی*، (ملتان: روحانی پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۱ء)، ص ۲۳۔۱۲۰۔

۲۷۔ *القرآن*، سورۃ بنی اسرائیل، ۲۳۔۲۴۔

۲۸۔ عرفان صدیقی ہدل: *اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری*، (لاہور، فیروزسنز، ۱۹۹۳ء) ص ۲۱۹۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۲۰۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۲۴۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۲۰۔

۳۲۔ *القرآن*، ۴۹: ۱۳۔

۳۳۔ ولیم للی، مترجم، سید محمد احمد سید *تعارف اخلاقیات*، (کراچی: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۴ء) ص ۱۳۵۔

۳۴۔ ولیم للی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۴۰۔

۳۵۔ *صحیح بخاری*، جلد سوم، باب النکاح۔

۳۶۔ مولانا مجیب اللہ ندوی *اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات*، (لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ۱۹۹۰ء) ص ۴۰۔۴۲۔

۳۷۔ رضا حسین رضوانی: *اسلام: دین معاشرت*، (کراچی: کانٹی نینٹل آفسٹ پرنٹرز: ۱۹۸۰ء) ص ۲۱۷۔۲۱۵۔

۳۸۔ بحار الانوار، جلد ۱۵، کتاب العشرۃ، ص ۲۸۰۔

۳۹۔ *قرآن پاک*، سورہ البقرہ، آیت ۲۲۰۔

۴۰۔ *بحار الانوار*، جلد ۱۵، کتاب العشرۃ، ص ۱۲۰۔

۴۱۔ *نہج البلاغۃ*، ص ۹۶۸۔

۴۲۔ *بحار الانوار*، جلد ۱۵، کتاب العشرۃ، ص ۱۱۹۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۱۲۰۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

۴۶۔ ایضاً۔

۴۷۔ ایضاً۔

۴۸۔ ایضاً۔

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔ ایضاً۔

۵۱۔ ایضاً۔

۵۲۔ ایضاً۔

۵۳۔ ایضاً۔

۵۴۔ ایضاً۔

۵۵۔ مستدرک الوسائل، جلد۲،ص ۲۴۰۔

۵۶۔ ایضاً۔

۵۷۔ بحار الانوار، جلد۱۸،ص ۱۴۶۔

۵۸۔ ایضاً۔

۵۹۔ ایضاً،ص ۲۲۰۔

۶۰۔ ایضاً۔

۶۱۔ M. Sharif Chaudhry, *Human Rights in Islam* , (Lahore: All Pakistan Islamic Education Congress,1993),p.67.

۶۲۔ ایضاً۔

۶۳۔ ایضاً۔

۶۴۔ ایضاً۔

۶۵۔ ایضاً۔

۶۶۔ ایضاً۔

۶۷۔ ایضاً۔

۶۸۔ ایضاً۔

۶۹۔ امتیاز احمد سعید، اسلامی تاریخ وتمدن، (لاہور، نیو بک پیلس،۱۹۸۴ء)،ص ۱۶۰۔

۷۰۔ ایضاً۔

۷۱۔ ایضاً۔

۷۲۔ اسلام اور تہذیب حاضر،ص ۸۵۔

۷۳۔ عرفان حسن صدیقی،ص ۲۵۔

۷۴۔ ایضاً۔

۷۵۔ ایضاً۔

۷۶۔ ایضاً۔

۷۷۔ اسلامی تاریخ وتمدن، ص۱۶۴۔

۷۸۔ ایضاً۔

۷۹۔ ایضاً، ص۲۵۵۔

۸۰۔ ایضاً۔

۸۱۔ ایضاً، ص۲۵۵۔

۸۲۔ اسلام کے بنیادی عقائد، ص۲۰۲۔

۸۳۔ ایضاً۔

۸۴۔ ایضاً۔

۸۵۔ عرفان حسن صدیقی، ص۲۳۴۔